نئی روشنی

नई रोशनी देहली

فہرست مضامین

جلد ۵	۱۷ر اگست سنہ ۱۹۵۰ء	شمارہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
جامعہ نگر دہلی

ایڈیٹر
ڈاکٹر سید عابد حسین

آزادی کی زنجیریں

ظفر رام پور کے ایک بڑے زمیندار [illegible] کا چشم و چراغ تھا اور الٰہ آباد کالج میں پڑھتا تھا۔ اس کی سب سے گہری دوستی تو اپنے بچپن کے ساتھی پرویز سے تھی۔ لیکن اپنے کالج کی ایک لڑکی ریحانہ سے بھی اسے بڑی دلچسپی تھی۔ اس کے پھوپھا اور پھوپھی اور ان کی لڑکی حسینہ جو ظفر کی منگیتر بھی تھی الٰہ آباد میں رہتے تھے اور ظفر کو اکثر اس سے ملنے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ وہ اس کی ذہانت اور ذکاوت اور معصوم حسن پر فریفتہ تھا اور بعض وقت ریحانہ سے زیادہ حسینہ کی محبت میں کشمکش محسوس کیا کرتی تھی۔

ظفر کی تربیت اور تعلیم، قدامت پرست ماحول میں ہوئی تھی اور اس کے والد میر مظفر نے باوجود اس محبت کے جو انہیں اپنے اکلوتے بیٹے سے تھی اُسے بہت سختی میں رکھا تھا جس سے اس کی شخصیت کچل کر رہ گئی تھی اور اس میں قوت ارادی کی اور جرأت کی کمی پیدا ہو گئی تھی۔

آج کل وہ وطن آیا ہوا تھا، جہاں اس کے والد بیمار تھے اور وہ ان کی دوا علاج میں مصروف تھا۔

قسط ۳۱

اتنی دیر تک مسلسل بولنے کی وجہ سے میر صاحب بالکل نڈھال ہو گئے تھے۔ ماسٹر صاحب نے ان کی نبض دیکھی تو بہت کمزور پائی۔ حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق انہیں خمیرہ کا کچھ حصہ زبان کھلا کر ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی پلایا اور تھوڑی دیر تک چپ چاپ لیٹا رہنے دیا۔ اس کے بعد بنا موقع جان کر آرام کرسی کھینچ کے پاس سے اُٹھ گئے اور اپنے جھک کر ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے "بھائی مظفر یہ بات تو میں نے مانی کہ تم الٰہ آباد جاؤ نہیں رہ کر علاج کرو مگر تم جیسے مذہبی آدمی کو جان سے بیزار نہیں ہونا چاہئے۔ ہماری زندگی خدا کی امانت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کی حفاظت کریں۔ دراصل دنیا میں ایک شخص کی زندگی بھی بے کار نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ اس سے کام لینا چاہتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کیسے کام لے۔ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں کہ ذہنی اور اخلاقی حیثیت سے تم نے ظفر کو کچھ نہیں دیا یا اب کچھ نہیں دے سکتے ہو۔ تم نے اس کو خدا شناسی، فرض شناسی، سچائی، دیانت داری کی تعلیم دی اور یہ وہ صفات ہیں جن پر ساری اخلاقی زندگی کی بنیاد قائم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تم نے اس کی تربیت میں حد سے زیادہ سختی کی اور اسے اپنی شخصیت کے بوجھ سے دبا رکھا۔ اس کی شخصیت کے ابھرنے میں بہت دیر لگ گئی مگر اب جب تم نے اپنی غلطی محسوس کر لی ہے تو تم اس کی تلافی کر سکتے ہو۔ باپ اگر بیٹے کی کشتی کا ناخدا بن کر اسے اپنی مرضی سے چلانے کی کوشش نہ کرے بلکہ رہنما ستارے کی طرح اپنی جگہ قائم رہے اور محض اپنے وجود کی روشنی سے یہ دکھاتا رہے کہ کدھر خطرناک چٹانیں ہیں اور کدھر راستہ صاف ہے تو اس کی ذات ناخدا بیٹے کے لئے برکت اور ہدایت کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم تم نئے زمانے کے مسئلے حل کرنے میں نوجوانوں کی مدد نہیں کر سکتے۔ [illegible] کے سمجھنے میں جو انسانی زندگی میں پیش آ رہی ہیں [illegible] اور [illegible] ہمارے [illegible]

ان کے تعلقات ایسے ہوں کہ ہم انہیں مدد دے سکنے کی بجائے الٹا [illegible] بلکہ وہ آپ ہی آپ ہمارے پاس کھنچے چلے آئیں۔ اب تم مایوسی کے خیالات کو دل سے نکال دو۔ تم نے ظفر کو انسانیت اور شرافت کے گر سکھا دیے ہیں۔ اور اب بھی اگر وہ سیکھنا چاہے تو بہت کچھ سکھا سکتے ہو۔ تمہاری زندگی ہرگز بے مصرف نہیں ہے۔"

میر صاحب: "خدا آپ کا بھلا کرے بھائی صاحب آپ نے میرے دل سے بے قدری اور بے بسی کے احساس کو کم سے کم عارضی طور پر دور کر دیا ہے لیکن اس معاملے میں اپنے آپ کو اور مجھ کو دھوکا نہ دیجئے کہ میں اس مرض سے جاں بر ہو سکتا ہوں۔ میں نے ظفر کی وجہ سے اب تک یہ چھپائے رکھا کہ ایک رفیق سفر کے اصرار سے میں نے کراچی میں ایک جرمن ڈاکٹر کو جو تشخیص امراض کا ماہر سمجھا جاتا ہے دکھایا تھا اور اس نے یہ بتایا تھا کہ آنتوں کی خرابی کے علاوہ دل بہت کمزور ہے اور اس میں فعلی نہیں بلکہ عضوی نقص پیدا ہو گیا ہے جس کا علاج صرف ویانا کے ماہرین امراض قلب کر سکتے ہیں۔ اس نے عارضی تسکین کے لئے مجھے ایک دوا دی ہے جسے میں چپکے چپکے استعمال کر رہا ہوں اور بہت اصرار کیا کہ تم جلد سے جلد ویانا چلے جاؤ۔ اب آپ ہی بتائیے مجھ میں یہ مقدرت ہے کہ ویانا جا کر علاج کراؤں؟ پھر کیا وہاں مسیحا رہتے ہیں کہ موت کو ٹال دیں گے؟ نہیں بھائی صاحب مجھے بالکل یقین ہو گیا ہے کہ اب میرا وقت آ گیا۔ آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں موت سے نہیں ڈرتا مگر اس فکر کے علاوہ کہ مجھ جیسا بے عمل اپنے مالک کے دربار میں کیا منہ لے کر جائے گا مجھے یہ بڑا تردد ہے کہ ظفر اس کم عمری میں تنہا زندگی کا سارا بوجھ کیونکر اٹھا سکے گا۔ اتنی امید تو مجھے ہے کہ وہ مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری کو بڑی حد تک پورا کرے گا۔ لیکن دنیا کے معاملات [illegible] تجربہ اس کو نہیں ہے اور نہ کاروبار کا تجربہ کار ہے۔ ابھی بہت دن تک اسے رہنمائی اور مدد کی ضرورت ہوگی! اور اس کے لئے مجھے آپ کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا۔ اگر آپ مجھے یہ بھروسا دلا دیں کہ میرے بعد ظفر کی دستگیری اور سرپرستی کریں گے تو دنیا کو چھوڑنے کا ذرا سا ملال میرے دل میں نہ رہے گا۔ اب رہا آخرت کا کھٹکا تو ظاہر ہے کہ اس معاملے میں رحمت ایزدی کے سوا اور کوئی سہارا کام نہیں دیتا۔"

ماسٹر صاحب کے دل پر یہ باتیں سن کر سخت دھچکا لگا۔ انہیں خود یہ شبہ تھا کہ میر صاحب کی کمزوری جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے یہ صرف آنتوں کی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کسی مہلک مرض کی علامت ہے۔ اب جرمن ڈاکٹر کی رائے سن کر انہیں بھی مریض کی صحت کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ مگر انہوں نے اپنے چہرے سے اپنے خیالات کا پتہ نہیں چلنے دیا اور اسی تسکین اور تقویت کے لہجے میں جو انہوں نے اب تک اختیار کیا تھا کہا "عزیز من موت سے نہ ڈرنا اور سفر کرنے کے لئے تیار رہنا تو ہر باخدا انسان کا دھرم ہے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ زندگی خدا کی بڑی نعمت ہے اور اس سے بیزار ہونا بڑی ناشکری ہے۔ جب تک وہ ہے اس کی قدر اور حفاظت کرو اور جب وہ واپس مانگی جائے تو خوشی سے حوالے کر دو۔ ظفر کی طرف سے تم اطمینان رکھو۔ جب تک میرے دم میں دم ہے جس طرح کی مدد وہ مجھ سے چاہے گا میں کروں گا۔ اور یوں بھی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب اس کی مذہبی اور اخلاقی بنیادیں تمہارے خیال میں مضبوط ہیں تو پھر اور کیا چاہئے۔ مضبوط اور ہموار سیرت کا آدمی دنیا کے معاملات میں کتنا ہی ناتجربہ کار کیوں نہ ہو، بڑی سے بڑی مشکل کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہ ٹھوکریں کھائے گا اور سیکھے گا، گرے گا اور سنبھلے گا، تکلیف اور مصیبت کی آنچ سہے گا، اور رفتہ رفتہ کندن بن جائے گا۔ تم خدا سے لو لگانا چاہتے ہو تو یہ فکر بھی دل سے نکال دو۔ جو ستاروں کے ایک ایک ذرے کی حفاظت کرتا ہے وہ ظفر کی بھی کرے گا۔"

دفعتاً موٹر کے ہارن کی آواز آئی اور ایک موٹر احاطے میں آ کر رکی۔ میر صاحب نے سر اٹھا کر دیکھا اور ان کے چہرے کی زردی پر خوشی کی سرخی دوڑ گئی۔ انہوں نے کہا "ارے یہ صفدر علی اور حسینہ کو لے کر ایک دم سے پہنچ گئے۔" ماسٹر صاحب نے مڑ کر دیکھا تو آگے کی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر صفدر علی اور پیچھے کی سیٹ پر دو برقعہ پوش خواتین اور ایک تیسری عورت نظر آئی جو ماما معلوم ہوتی تھی۔ [illegible] فوراً خدا حافظ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کمرے کی طرف سے برآمدے کی بغلی سیڑھی سے اتر کر چلے گئے۔ پھاٹک پر ظفر سے مڈبھیڑ ہوئی [illegible] وہ لپکا ہوا موٹر کی طرف جا رہا تھا۔

صفدر علی تو میر صاحب کی عیادت کر کے [illegible] شام کو واپس چلے گئے مگر عقیلہ بیگم اور حسینہ

نئی روشنی

اداریہ و تحریر

ڈاکٹر سید عابد حسین، مسز صالحہ عابد حسین، عبداللطیف اعظمی

پچھلا ہفتہ

ہند اور بیرون ہند میں

نئی روشنی کو بند کرنے کا فیصلہ

ہمارے اور آپ کے لیے یعنی نئی روشنی کے خادموں اور اس کے قدر دانوں کے لیے پچھلے ہفتے کا سب سے اہم واقعہ یہ ہوا ہے کہ اس اخبار کو چلانے والوں نے بادل ناخواستہ اسے بند کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے سال اسی زمانے میں ہم نے اپنی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ شاید ہم کو مجبور ہو کر اخبار بند کرنا پڑے۔ اس پر ہمارے بعض قدر دانوں نے جن کی رائے ہمارے لیے قابل احترام ہے بڑی شدت سے اصرار کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے نئی روشنی کو چلاتے رہنا چاہیے۔ چنانچہ ہم نے پھر ایک مرتبہ ہمت باندھ کر اپنا سارا زور لگا دیا کہ انتظام کو بہتر کرکے خرچ کو گھٹا کر اور آمدنی کو بڑھا کر اخبار کو خود کفیل بنائیں۔ انتظام کو سدھارنے اور خرچ کو گھٹانے میں تو کچھ کامیابی ہوئی لیکن آمدنی انتہائی کوشش کے باوجود نہیں بڑھ سکی۔ نئی روشنی جیسا اخبار جو عام معیار کی پابندی کرنے کے بجائے اسے بلند کرنا چاہتا ہے اور عام مذاق کی تقلید کی جگہ اس کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے کسی ملک میں بھی ہر دلعزیز نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اور خاص کر اردو داں طبقے میں اس کا قبول عام حاصل کرنا اور وہ بھی آج کل بہت مشکل تھا۔ پھر بھی جہاں تک مستقل خریداروں کا تعلق ہے ان کی تعداد خاصی معقول ہو گئی۔ لیکن ایجنٹوں کے ذریعے سے فروخت کرنے کی کوشش جس پر اخبار کا چلنا منحصر ہے قطعاً ناکام رہی۔ معتبر ایجنٹ بہت کم مل سکے۔ اکثر حضرات کا ذمہ ہے کچھ [illegible] ایسا رہا کہ جب تک [illegible] کے وصول کرنے میں ڈھیل دی [illegible] خاصی بڑی تعداد میں اخبار منگواتے رہے لیکن قیمت کا تقاضا کیا گیا تو ان کا جواب دیا کہ اخبار بکا نہیں، بچا ہوا پرچہ واپس لے لیجیے۔ اسی طرح اشتہار کے معاملے میں تلخ تجربے ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محدود اشاعت کی وجہ سے اشتہار کم ملے لیکن اجرت کے وصول کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں وہ نہایت افسوسناک ہیں۔ بہرحال ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستقل خسارہ ہوتا رہا جس کا برداشت کرنا اب ناممکن ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں وہی اخبار چل سکتا ہے جو کسی سیاسی پارٹی سے براہ راست تعلق رکھتا ہو یا دولت مند ارباب غرض کے کسی حلقے کا آلۂ کار ہو۔ علم و تعلیم کے خادموں کے ایک چھوٹے سے حلقے کا اخبار سوا دو برس چل گیا یہی غنیمت ہے۔

بہرحال ہم انتہائی افسوس کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ۱۵ اگست کا پرچہ شائع کرنے کے بعد نئی روشنی کو بند کر دیا جائے گا۔ اگلا پرچہ جس میں ہم رخصتی اداریہ لکھیں گے جس میں پچھلے دو برس کے حالات کا جائزہ لے کر یہ دکھائیں گے کہ ہمارا ملک کدھر جا رہا ہے اور دنیا کدھر جا رہی ہے اور آنے والے زمانے میں "نئی روشنی" کے طرز خیال سے اتفاق رکھنے والے حضرات کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔ ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اپنے خیالات کے اظہار اور اشاعت کا جو ممکن ذریعہ ہمیں ملے گا اس سے کام لیتے رہیں گے اور ان سے کبھی ملتے رہیں گے۔ اس وقت ادارہ اخبار کے مستقل خریداروں سے یہ التجا کرتا ہے کہ ان کا جتنا چندہ باقی رہ گیا ہے اس کے عوض یا تو مکتبہ جامعہ کی مساوی قیمت کی مطبوعات منگوا لیں یا رسالہ پیام تعلیم اپنے بچوں کے نام جاری کرا لیں۔ اگر یہ دونوں صورتیں منظور نہ ہوں تو ہدایت فرمائیں کہ بقیہ چندہ منی آرڈر سے ان کی خدمت میں روانہ کر دیا جائے۔

پنڈت نہرو اور کانگریس

پارلیمنٹ میں [illegible] معاملات کے بارے میں جو بحث ہوئی اس کے سلسلے میں یہ بات اور بھی طرح ظاہر ہو گئی کہ پنڈت نہرو کانگریس پارٹی کی موجودہ حالت سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس بحث کی تقریر میں جس میں پنڈت جی نے شری شیاما پرشاد مکرجی اور دوسرے نقادوں کے اعتراضوں کا مدلل جواب دیا۔ انہوں نے [illegible] تقسیم ہند کو منسوخ کرنے، مشرقی اور مغربی بنگال میں تبادلۂ آبادی کرنے یا پاکستان سے کچھ علاقہ مانگنے کی جو تجویزیں شری مکرجی اور ان کے ہم خیالوں نے پیش کیں وہ موقع کے خلاف نہ تھیں۔ خلاف توقع اور [illegible] افسوس بعض کانگریسی ممبروں کا رویہ ہے کہ کانگریس کے بنیادی اخلاقی اصولوں اور اس کی بہترین روایات کے خلاف [illegible] کر ان تجویزوں کی کلی یا جزوی تائید کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ایسے ممبروں کی تعداد زیادہ نہیں اور پارلیمنٹ کی کانگریس پارٹی کی بہت بڑی اکثریت فرقہ وارانہ مسائل اور ہندوستان پاکستان کے تعلقات کے بارے میں معقول اور منصفانہ رویہ رکھتی ہے لیکن یہ بات بجائے خود افسوسناک اور خطرناک ہے کہ کانگریس پارٹی میں ایسے لوگ بھی گھس گئے ہیں اور مل گئے ہیں جو اس کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

زیادہ تفصیل سے پنڈت جی نے اس خیال کا اظہار اس بیان میں فرمایا ہے جس میں انہوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ کانگریس کے صدارتی انتخاب سے اپنا نام واپس لیتے ہیں۔ ہم اس بیان کے متعلقہ ٹکڑوں کو ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

مجھے فی الحقیقت بڑی تشویش ہے کہ لوگوں نے بعض بنیادی اصول جن کی کانگریس ہمیشہ علمبردار رہی ہے، بھلا دیے ہیں۔ اگر یہ بنیادی اصول نظر انداز کر دیے جائیں تو عمارت اس پر بنی ہوئی ہے کب تک قائم رہ سکتی ہے اور اگر رہ بھی جائے تو اس سے کسی کو کیا فائدہ ہوگا؟ مجھے یہ بات نہایت اہم معلوم ہوتی ہے کہ کانگریس کے پرانے اصولوں کو مستقل طور پر ملحوظ رکھیں۔ ان کی پھر سے وضاحت کریں اور ان کی پابندی پر زور دیں۔

پارلیمنٹ میں حال میں جو بحث ہوئی ہے اس میں بعض اصولوں پر جن کی کانگریس ہمیشہ علمبردار رہی زور [illegible] کی حمایت کی ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ خود کانگریسی حلقوں میں سے بعض ان کی حمایت میں نکلے اور ایسی باتیں کہنے لگے ہیں جن سے کانگریس کا ذہن [illegible] ہے۔

مجھے امید ہے جلد ہی کانگریس اس کام کا بیڑا اٹھائے گی کہ کانگریس پارٹی کے طرز خیال کی وضاحت کرے اور یہ اعلان کرے کہ کانگریس کے نصب العین بدستور قائم ہیں۔ اور یہی فرقہ وارانہ اور دوسرے مسائل کے حل کرنے کے لیے ابھی [illegible] کا استعمال لازمی ہے۔ کانگریس کا جسم [illegible] ایک لمبا [illegible] ہو گیا ہے جو ممبروں کی تعداد کے بڑھنے سے دور نہیں ہو سکتا اس کے لیے [illegible] بنیادی علاج کی ضرورت ہے۔ کانگریس کی تاریخ میں یہ ایک نازک موقع ہے اور اس وقت اصول [illegible] سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ مجھے دل سے یقین ہے کہ انہیں پرانے اصولوں کی بنا پر سب فیصلے کیے جائیں گے اور کانگریس کا کام چلایا جائے گا۔

آخر میں مجھے ان لوگوں سے خطاب کرنا ہے جو پنڈت جی سے [illegible] چاہتے ہیں کہ کانگریس کے صدارتی انتخاب میں مجھے ووٹ دیں۔ موصوف نے وزیر اعظم کی حیثیت سے جہاں صدارت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے وہاں اس بات کو بھی نامناسب سمجھا ہے کہ کسی خاص امیدوار کی تائید کریں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا [illegible] کہ ترجیح اس امیدوار کو دی جائے جو سیاسی مسائل، فرقہ وارانہ مسائل اور دوسرے معاملات میں کانگریس کے پرانے اصولوں کا قائل اور ان پر عامل ہو۔ ہمارے خیال میں اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس معیار پر موجودہ امیدواروں میں شری شنکر راؤ دیو پورے اترتے ہیں اور ہر سچے کانگریسی کا فرض ہے کہ شری دیو کو ووٹ دے اور ان کی کامیابی کے لیے کوشش کرے۔ لیکن اگر فرض کیا [illegible] کسی اور کے نام چنا گیا تو پنڈت نہرو کا اشتراک عمل حاصل کرنے کے لیے صاف لفظوں میں اعلان کرنا ہوگا کہ وہ کانگریس کے بنیادی اخلاقی اصولوں پر عمل کرے گا جن میں فرقہ وارانہ اتحاد اور اقلیتوں کے ساتھ انصاف خاص اہمیت رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ پنڈت جی کے اشتراک عمل کے بغیر کوئی کانگریس کا پریسیڈنٹ اپنا کام نہیں چلا سکتا۔

ہیں سے ملک کو ہمکنار کرنے کے لئے جانے میں
قصبوں کا بھی انتخاب کیا جائے لیکن کانگریس
کے قومی لیڈروں کی وفات کے بعد جو حالات پیدا ہوئے ہیں

بڑھتی ہوئی قیمتوں کی روک تھام

اگرچہ اب تک حکومت کی ساری کوششیں
مہنگائی کو دور کرنے میں ناکام رہی ہیں مگر لوگ
اس کو منت سمجھتے تھے کہ پچھلے تین سال میں کبھی
بھی صورت پر ... رہیں ... میں مزید
نہیں ہوا۔ اب اس نظر ... پر گرانی کا سیلاب
ہر ... کو توڑ کر ملک کو تباہ کرنے پر تلا ہوا
ہے۔ گویا کی ... کا جو ... تھا کہ تنفیذ ہوئے
کے دوران ... میں پانی پھر گیا۔ پہلے امریکی مل
کے ... سے ... کے بعد ... اشیاء پر قسم
کی اشیاء کی قیمتیں چڑھتی گئیں ... ہر قسم مثلاً
... میں اضافہ ہو گیا ہے اور جنوب مشرقی
ایشیا سے آنے والی چیزوں مثلاً ربڑ
وغیرہ کی قیمتوں میں ... فی صدی سے لے کر
... فی صدی تک اضافہ ہوا ہے ... ہندوستان
کی بہت اشیاء کی قیمتیں بھی ... یہ
خوشی کی بات ہے کہ مرکزی حکومت کے
وزیر صنعت شری مہتاب نے یہ محسوس کیا کہ
مہنگائی پہلے ہی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اس
سے آگے بڑھنے میں معاشی زندگی کے درہم
برہم ہو جانے کا اور عام تباہی پھیل جانے
کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر
ملک میں گرانی کو روکنے کی تدبیریں کی
جائیں میں یکجائی اور ہم آہنگی نہیں ہوگی ...
یہ کام مرکزی حکومت کو کرنا چاہیے لیکن مشکل
یہ تھی کہ آئین کی رو سے اندرونی اور بیرونی
تجارت، اشیاء کی پیداوار، رسد اور تقسیم
صرف مرکز کے دائرہ عمل سے باہر نہیں اور
ریاستوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ البتہ آئین کی
دفعہ ۲۴۹ میں یہ گنجائش موجود تھی کہ
ضرورت کے وقت مرکزی پارلیمنٹ دو تہائی
اکثریت سے یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ کوئی معاملہ
کے لئے وہ ان معاملات کے بارے میں قانون
بنانے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے
چنانچہ شری مہتاب نے اس مضمون کی ایک
تجویز پارلیمنٹ میں پیش کی اور وہ اتفاق
رائے سے منظور ہو گئی۔ اگر ... میں
تجویز کی حمایت ... مخالفت ... کی
... بعض ممبروں نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ
حکومت ... ان کو ... کرنے
کے لئے ... اختیار نہیں کرے گی۔
پچھلے تجربہ کو دیکھتے ہوئے ان ممبروں کا
اندیشہ ... ہے اور حکومت ... کو
بہت ... ضرورت ... ہے ...
... بنانے اور ... کرنے

سے جلدی کرنی چاہیے بلکہ اپنے سارے اختیارات
اور وسائل سے کام لے کر ان کو سختی کے ساتھ
نافذ کرنے کا پورا انتظام کرنا چاہیے۔
شری مہتاب کی اس تجویز سے پہلے شری
منشی نے ایک بل پیش کرنے کی اجازت چاہی
اس کا منشا یہ ہے کہ غلے، کپڑے اور
دوسری ضروری اشیاء کے سلسلے میں جو
قوانین نافذ ہیں ان کی خلاف ورزی
کرنے والے کو جرمانے اور مال کی ضبطی کے
علاوہ تین سال تک قید کی سزا دی جاتی تھی
غلے کا ذخیرہ چھپا کر رکھنے والوں کے لئے
اور بھی سخت سزا تجویز کی گئی ہے۔ ان کو
سات سال تک قید کی، ذخیرے کی ضبطی
کی اور جرمانے کی سزا دی جائے گی جو ضبط
شدہ ذخیرے کی قیمت کا کم سے کم تین گنا
ہوگا۔ ایک اصلاحی اعتراض کے سوا
جسے شری منشی نے رد کر دیا اس مسئلے
پر کوئی بحث نہیں ہوئی اور پارلیمنٹ نے
بل کو پیش کرنے کی اجازت دے دی۔
اس میں شک نہیں کہ شری مہتاب
کی تجویز اور شری منشی کے بل سے یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ حکومت اس بار نفع خوروں
اور ذخیرہ اندوزوں سے نمٹنے کی پوری
کوشش کرنا چاہتی ہے لیکن جیسا کہ ہم
پہلے کئی بار کہہ چکے ہیں یہ تنہا حکومت
کے بس کی بات نہیں۔ اس میں سب سیاسی
پارٹیوں اور خاص کر کانگریس کے کارکنوں
کی زیادہ سے زیادہ مدد کی ضرورت ہے
جب تک رائے عامہ کو ابھار کر سارے
ملک میں ان چیزوں کے خلاف شدید جذبہ
نہ پیدا کر دیا جائے موجودہ حالات میں حکومت
کی ڈھیلی اور بگڑی ہوئی مشینری
نفع خوری اور ذخیرہ اندوزی کی سازش
کا جو بہت گہری اور بہت دور دور تک
پھیلی ہوئی ہے استیصال کرنے میں کسی طرح
کامیاب نہیں ہو سکتی۔

کشمیر کا معمہ

پاکستان کے اخبار کہتے ہیں کہ کشمیر کے بارے
میں ہندوستان کی طرف سے کوئی نئی تجویز پیش کی
گئی ہے۔ شیخ عبداللہ نے اپنے بیان میں ... ایسا
کیا ہے۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ ... اور
... ناقابل عمل ثابت ہو چکا ہے اور
کوئی نیا حل چاہیے وہ کسی کی طرف سے پیش
کیا جائے ... یہ کہنا مشکل ہے کہ
کی ... کوشش کامیاب ہوگی یا نہیں۔ مگر ...
... حقیقت ... جس ...
... کر چکا ہے۔ ...
... کسی ... میں گے اور

پاکستان کی معاشی اور صنعتی حالت

پچھلے ہفتے ڈھاکہ میں کل پاکستان
معاشی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں
پاکستان کے مشہور اور اہم ماہرین معاشیات
نے شرکت کی اور پاکستان اسٹیٹ بینک
کے گورنر زاہد حسین صاحب نے اپنے خطبہ
صدارت میں نہایت تفصیل سے پاکستان کی
معاشی اور صنعتی حالت کا تجزیہ کیا اور اس
کے بارے میں حکومت کی پالیسی کی وضاحت
کی۔ موصوف نے بڑی بڑی صنعتوں کے
قیام اور ان کی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے
فرمایا کہ حکومت نے ملکی صنعت کو ترقی
دینے کی ذمہ داری براہ راست اپنے ذمے
لی ہے۔ چنانچہ اسی غرض سے انڈسٹریل ڈیولپمنٹ
کارپوریشن قائم کیا گیا ہے جو مختلف صنعتوں
کے قیام اور ان کی ترقی میں مدد دے گا۔
زاہد حسین صاحب نے قومی ملکیت کے بارے
میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے
خیال میں تمام صنعتوں کو قومی ملکیت قرار
دینے کے بجائے یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ
استحصالی یا بیرونی سرمایہ دار تعاون کو بھی
اس ذخیرہ پر شریک کیا جائے کہ حکومت کا
سرمایہ کم ... ہوگا اور اسی کا کنٹرول ہوگا
لیکن جوں جوں حالات بہتر ہوتے جائیں
کے مناسب شرطوں پر ملکی سرمایہ داروں کا
اختیار بڑھتا جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ
اختیارات جو ملک کے مفاد کے ... کے
ہیں، خود حکومت کے ہاتھوں میں رہیں گے
مثلاً خریداروں کے مفاد کی حفاظت اور ...
کی بہبودی کے لئے قاعدے قانون بنا
نفع خوری اور ذخیرہ اندوزی کی روک
تھام کرنا۔ بیرونی منڈیوں میں ملکی مفاد
کی حفاظت وغیرہ۔ ... صنعتوں
کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ گذشتہ
چند سالوں میں انہیں بہت سخت نقصان
پہنچا ہے اور اس وقت یہ صنعتیں نہایت
نازک دور سے گذر رہی ہیں مگر خوشی کی بات
ہے کہ حکومت نے اس طرف خاص توجہ
دی ہے اور امید ہے کہ مستقبل قریب میں
اچھے نتائج ظاہر ہوں گے۔
ملک فیروز خان نون گورنر مشرقی بنگال
نے اپنے پیغام میں مشرقی پاکستان کی معاشی
حالت کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ...
... کی بہت سخت کمی ہے۔ ذرائع نقل
و حمل بہت ہی ناقص اور ناکافی ہیں ...
صنعتیں قریب قریب ناپید ہیں ... فیصد
علاقے پر دھان کی کاشت ہوتی ہے مگر
پیداوار اتنی کم ہے کہ صوبے کی ضرورت بھی

پوری نہیں ہو پاتی۔ اس وقت اوسط پیداوار
... من فی ایکڑ ہے۔ اگر جدید طریقوں سے
... من فی ایکڑ کا بھی اضافہ ہو جائے
تو صوبے کی ضرورت سے زیادہ چاول
پیدا ہونے لگے گا ... فیصدی علاقے
پر پٹ سن کی کاشت کی جاتی ہے اور پٹ سن
اس صوبے کی سب سے زیادہ نفع بخش اور
فروغ بخش کاشت سمجھی جاتی ہے۔ مگر ...
کی ایک بھی مل نہیں ہے۔ ... میں ...
ہیں۔ مگر ان کے علاوہ ... کی ضرورت
ہے ... معدنیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا
کہ افسوس ہے کہ اس طرف بالکل توجہ
نہیں کی گئی اب تک سلہٹ کے علاقے
میں صرف تیل کا انکشاف کیا گیا ہے،
جس سے دو سال کے عرصے میں ... لاکھ
ٹن تیل پیدا کیا جا سکے گا۔ لیکن چاٹگام
میں کئی ایسے علاقے ہیں جہاں ...
کاروں کی ضرورت کی چیزیں دریافت کی
جا سکتی ہیں۔
پاکستان کے دوسرے معاشی مسائل
پر بھی اس کانفرنس میں بحث و گفتگو ہوئی
جس میں سکے کے مسئلے پر سب سے زیادہ بحث
کی گئی۔ سب نے بالاتفاق اس سے ...
ہندوستان سے ... تعلق ...
پر زور دیا مگر اجلاس کے صدر ...
نے اس مسئلہ پر اس سے زیادہ بحث کرنے کی
اجازت نہیں دی۔

شاہ ایران کی مصالحتی کوشش

پاکستان اور افغانستان کے تعلقات عرصے سے
بہت کشیدہ ہیں۔ مصالحت کی بار بار
کوششیں ... مگر اصل مسئلہ جو ... کا
ہے کبھی حل کرنے کی خواہش ...
کی گئی۔ اس لئے دونوں ملکوں میں ...
دوستی قائم نہیں ہو سکی۔ اگر عالمی ...
چھڑ گئی جس کا خطرہ بہر حال موجود
... اختلاف نہایت ...
کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لئے دونوں ...
میں مصالحت کرانے کے لئے شاہ ایران
کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ شاہ ایران ...
دونوں ملکوں سے ...
تمام مخالفانہ ... بند کرنے ...
کی ہے جسے حکومت پاکستان نے ...
کر لیا ہے۔ مگر ابھی تک ...
نے کوئی جواب نہیں دیا ہے۔
دونوں ملکوں میں اصل جھگڑا ...
جب تک اصل مسئلہ حل نہیں ہو ...
کہ شاہ ایران کی اس کوشش کا بھی ...
پچھلی کوششوں کا ہو چکا ہے۔

کشکول

تکلیف؟ جی نہیں، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ عین راحت ہے، بڑے سے بڑی اور بڑی چھتری کے لئے بھی۔ کیا فرمایا؟ آپ کی چھتری کے چھتے تک جاتا ہے۔ کوئی بات نہیں میرا دل ـــــ نہیں لاحول ولا قوۃ ـــــ میرا گھر بھی اسی طرف ہے۔ بچھیا کے کٹرے میں۔ جی چکر؟ ہاں تھوڑا سا چکر ضرور ہے۔ مگر اس میں کیا حرج ہے۔ ذرا دیر اور تفریح رہے گی۔ اس خوشگوار موسم میں جتنی سیر ہو اچھا ہے۔

(خدا کی لعنت اس خوشگوار موسم پر، اور اس کم بخت مروت پر۔ آخر مجھے کیا ضرورت تھی اس قیامت کی بارش میں اپنی بیلی بنا کر چھتری میں ایک اجنبی کو شریک کروں۔ اور [illegible] ہوتا تب بھی غنیمت تھا۔ پورا ارنا بھینسا ہے۔ کوئی پوچھے تو چھتری کی پناہ ڈھونڈھتا ہے۔ [illegible] یہ موٹی کھال کس برساتی سے کم ہے۔ نامعقول خود بارش سے بچے گا، دوسرے مجھے بھگوئے گا۔ ذرا چھتری اپنی طرف کرتا ہوں تو [illegible] کو کھا کر مجھے پالے سے باہر کر دیتا ہے)

جی ہاں بڑے زور کی بارش ہے۔ اور ہوا بھی چاہئے۔ ساون بھادوں ہی ہے نا۔ مگر جس کے پاس چھتری موجود ہو اُسے کیا پرواہ ہے۔ نہیں نہیں یہ محض آپ کا خیال ہے، میں کہاں بھیگ رہا ہوں؟ بس ایک ذرا سی بوچھار سر پر پڑ رہی ہے اور [illegible] پڑتے ہیں تو مجھے مینہ میں نہانا بڑا اچھا لگتا ہے۔ چھتری تو آپ کی وجہ سے لے لی ورنہ بند کر کے بغل میں دبا لیتا۔

(ظالم اس قدر بے تحاشا جھوٹ بول رہا ہوں۔ سر سے پاؤں تک [illegible] کہنا چاہئے۔ ٹوپی سے بالوں میں اور بالوں سے منہ کے اندر تک، اچکن [illegible] گریبان میں اور پیٹھ سے ریڑھ کی ہڈی کے گودے تک پانی کی دھار [illegible] کی طرح ٹپکتی چلی جا رہی ہے اور اوپر سے تیز ہوا کے جھونکے بدن میں [illegible] کی طرح لگ رہے ہیں۔ یا اللہ میرے گناہ تو بہت ہیں مگر کیا سب کی سزا آج ہی ملے گی)

ہائے مر گیا! توبہ! توبہ! آپ معافی کا نام لے کر مجھے ناحق گنہگار کرتے ہیں۔ بھلا [illegible] پاؤں کا ہے کو کچلتے؟ غلطی میری تھی کہ اپنا پاؤں آپ کے پاؤں کے نیچے [illegible] درد؟ جی نہیں درد بالکل نہیں ہوا، وہ تو ندامت کے مارے منہ سے [illegible] نکل گئی تھی۔

(خدا غارت کرے موذی کو۔ ایک تو اتنے بھاری گھر اور پھر نعل چڑھے ہوئے [illegible] سپاہی کے فل بوٹ خرید لایا ہے اور اوپر سے کیلیں جڑوائی ہیں۔ گنوار کس رعونت سے رپ رپ کرتا چلا جاتا ہے۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ جوتی [illegible] بھر جانے سے چپ چپ کی آواز نکلتی ہے تو شرم آتی ہے)

لاحول ولا قوۃ! جی نہیں، آپ کے دیکھنے سے نہیں محض اتفاق سے میرا [illegible] میں چلا گیا۔ کیچڑ؟ جی ہاں کیچڑ جوتوں میں ضرور بھر گئی ہے۔ مگر یہ تو اچھا ہی [illegible] پانی اندر نہیں جانے پائے گا۔ (آچھیں) کیا فرمایا؟ زکام؟ جی [illegible] جاتا رہے گا مجھے تو خشکی سے زکام ہوتا ہے۔ [illegible] تری کا [illegible] اور ایسا غائب [illegible] کے ـــــ مطلب یہ کہ بالکل غائب ہو جاتا ہے (آچھیں آچھیں) [illegible] کی (کھوں کھوں کھوں، کھوں کھوں کھوں) اور حلق کی راہ بہہ کر [illegible]

[illegible] انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آج نمونیہ ہوئے بغیر نہیں رہے گا اور یہ مرض کم بخت [illegible] خاندان کے لئے مہلک ہے۔ دادا ابا اسی میں گئے۔ نانی اماں اسی میں [illegible] اب اپنا بھی چل چلاؤ ہے۔ خیر کچھ بھی ہو، اس وقت تو دل میں ایک ہی [illegible] ہے کہ تمنا ہو، طاعون ہو، اگر دن توڑ بخار ہو، جو کچھ بھی ہو وہ اس [illegible] کو ضرور لگ جائے۔ جو بھلے آدمیوں کی مروت سے فائدہ اٹھا کر اُن [illegible] گھستا ہے)

یہ دورنگی کب تک

سیدہ فرحت

چھائی ہوئی آکاش پہ گھنگھور گھٹائیں
اک کیف طرب خیز سے معمور فضائیں
جو ساز پہ بارش کے سنائے ہیں ہوا نے
وہ گیت بھی کیسے مدھر کیسے سہانے
یہ موجہ و گرداب کی دھمال پہ ہلچل
کیا نظر افروز ہے یہ رقص مسلسل
ہر شاخِ شجر آج نظر آتی ہے دھانی
گل کیا کہ خس و خار پہ ہے حسن جوانی
طاؤس کا یہ رقص یہ چڑیوں کے ترانے
جھولے یہ یہ دیہات کی نوخیزوں کے گانے
اک سمت ہیں فطرت کے یہ معصوم نظارے
ہیں ایک طرف خون کے بہتے ہوئے دھارے
جس کے لئے فطرت نے یہ سامان کیا ہے
وہ موت کی آغوش میں دم توڑ رہا ہے
وہ مادرِ فطرت کی جو آنکھوں کا ہے تارا
وہ جس سے کہ ہے کاکلِ گیتی کو سنوارا
اس محفلِ ہستی کی جو زینت ہے وہ انساں
اب اس کی تباہی کے لئے جلتے ہیں سامان
دولت کے پجاری وہ زر و سیم کے بندے
انساں کے جو دشمن ہیں وہ خونی درندے
رگ رگ میں بسی جن کے ہے سرمایہ پرستی
برہم کئے دیتے ہیں وہ شیرازۂ ہستی
اے ساتھیو! انساں کی محبت کی قسم ہے
ہاں امن و مساوات کی عظمت کی قسم ہے
ہستی کے دل آویز چمن زاروں کی سوگند
ان کیف میں ڈوبے ہوئے نظاروں کی سوگند
سفاکی و خوں ریزی کی بنیاد ہلا دو
ہاں ظلم کو اب صفحۂ ہستی سے مٹا دو
انسان کو در موت کے پنجے سے رہائی
بلکہ سنو مادرِ فطرت کی دہائی

نئے ادب کی کہانی

بیگم شفیع احمد قدوائی مرحوم

(۱)

اس سے پہلے کہ میں نئے ادب کی کہانی سناؤں یہ مناسب ہوگا کہ اب سے تیس سال پہلے کی عالمگیر بے اطمینانی، سماجی ہل چل اور معاشی و سیاسی کشمکش کا حال سنا دوں تاکہ پڑھنے والے اس پس منظر کی بھی ایک جھلک دیکھ لیں جس میں اردو ادب نئے حالات سے متاثر ہو کر ذہنی انقلاب کا ذریعہ بنا۔ سنہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی جنگ نے جسے اس زمانے کے امن پسند لوگ جنگ عظیم کہا کرتے تھے اپنے خاتمہ پر بہت سی نئی نئی چیزیں ہندوستان لائی۔ مثلاً ڈینگو بخار، انفلوئنزا، ہوائی جہاز، غریبوں کی لاج رکھنے والا جاپانی نقلی ریشم اور ان سب سے بڑھ کر اشتراکیت کا نیا اور انوکھا نظریہ حیات۔

ان میں سے کچھ چیزیں تو زور شور سے ملک میں داخل ہو گئیں، اور کچھ بے بانگ۔ اشتراکی تخیل اس طرح خاموشی سے آیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو پائی۔ اور وہ سیدھا یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پہنچ کر ملک کے نوجوان دماغوں کو ٹٹولنے لگا۔

ملک میں اس وقت سیاسی بے چینی شروع ہو چکی تھی۔ لڑائی میں ہزاروں ہندوستانی زبردستی بھیجے گئے تھے۔ خدا واسطے کو کروڑوں روپے اور ہزاروں جانوں نے اس کو قرضدار کر رکھا تھا۔ ہر طرف ملک اقتصادی بدحالی کی بدولت پریشان ہی ہے اور پریشان ہو رہا تھا۔ اوپر سے گورنمنٹ کالے کالے قانون گھڑ گھڑ کر اور بھی مصیبت سر پر ڈالنے لگی۔ حکومت کی مشینری جو عین جنگ میں صرف جیتنے اور پھر پروپیگنڈا کرنے کے کام لگی رہی تھی، ایک بار کی فاتحی اور تمام جانے پہنچا کر پڑی اور اس وقت پہلی مرتبہ ملک کی آنکھوں کے سامنے ہندوستان کی غلامی بھیانک صورت میں آئی۔ عوام نے اس کے خلاف آواز اٹھائی، حکومت نے سختیاں کیں۔ آخر مایوسی اور بے چینی کے ہاتھوں مجبور ہو کر کانگریس کو حکومت سے ٹکر لینے کے سوا چارہ کار نہ رہا۔ حکومت کی سختیاں بڑھیں۔ ملک کی اقتصادی حالت ابتر ہوئی اور ساتھ ہی بین الاقوامی خیال نے ہندوستانیوں کو یقین دلا دیا کہ وہ بھی بڑی دنیا کا ایک حصہ ہیں، اور دور بہت دور کہیں ایک ایسا نظام بھی عالم وجود میں آ جاتا ہے جو پس ماندہ انسانوں کو عزت، حکومت اور جینے کا حق عطا کرنے کا ملکہ ہے۔

لیکن اس وقت کے اخبارات اور رسائل پر شکنجۂ غلام حکومت اور اس کے اشتراکیت مخالف

کے نظریے کو اس بری طرح توڑ مروڑ کر مضحکہ خیز بنا کر پیش کرتے تھے کہ عام طور پر بے لغویت اور حماقت کے لئے لفظ بالشویزم استعمال کیا جانے لگا تھا۔ ہندوستانیوں کو یہ ٹھیک مشورہ دیا جاتا تھا کہ سوویٹ روس اور اس کا دین و آئین ایک ایسی مہلک بیماری ہے جس سے قوم کی موت یقینی ہے اور اس میں مبتلا ہو کر انسان شہری حقوق، عورتوں کی عزت اور مذہب جیسی مقدس کوئی چیز بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔

ایسے ماحول اور اتنی سخت احتیاط و پیش بندی کے باوجود بھی روس کا انقلابی تخیل نہ معلوم کیسے گھس آیا۔ جب آنکھ کھلی تو باغیانہ جذبات ابھر رہے تھے۔ سرگوشیوں میں اس پر تبصرے ہو رہے تھے۔ کمیونسٹ پارٹی بن چکی تھی، اور سیاسیات عالم پر روسی نقطۂ نظر سے غور بھی کیا جا رہا تھا۔

جوں جوں واقفیت بڑھتی گئی، لوگوں کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ بے چینی کیوں نہ ہوتی۔ کمیونزم نے ایک بڑے مسئلہ مزدور و سرمایہ دار کا دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مساوات اور عالمگیر برادری کا سوال اٹھایا، اور غریبوں کے معیار زندگی کو اونچا کرنے، طبقاتی فرق کو مٹانے کی تحریک کی۔ یہ ناممکن تھا کہ ہندوستان جو خود ان تمام مشکلات کا شکار تھا، اس سے متاثر نہ ہوتا اور یہ بھی ناگزیر تھا کہ زبان و ادب پر اس کا اثر نہ پڑتا۔ برطانوی حکومت روس کی اس ڈھٹائی سے بوکھلا گئی۔ اس نے پانی پی پی کر لینن کو کوسا، کمیونسٹوں کو صلواتیں سنائیں، کانگریس کو ورغلایا اور مذہب کے نام پر قدامت پسندوں کو اس سرکش گروپ سے بھڑوا دیا۔

اس سیاسی کشمکش سے آخر ادب کا دامن کہاں تک محفوظ رہتا۔ ادیب اور شاعر سب ہی اس بدلی ہوئی ہوا سے متاثر ہوئے۔ خود ڈاکٹر اقبال نے انقلاب روس پر اظہار مسرت کیا اور اس جہان نو کی بہتری و بہبودی کی خوش گوار امیدوں کی توقع ظاہر کرتے ہوئے مخلصانہ مشورہ دیا کہ

بگذر از لا جانب الّا خرام

یعنی انکار و نفی کی منزل سے گذر کر ذرا اثبات (ایمان) کی طرف بھی قدم بڑھاتے چلے جاؤ۔ ان کا خدا شناس دل روس کی لامذہبیت سے خوش نہ ہو سکا۔

ادبی حیثیت سے یہ وہ دور تھا کہ دلی و لکھنؤ اسکول کے جھگڑے کو اقبال کی شخصیت طے کر چکی تھی، حکمت، شبلی اور حسرت کسی نہ کسی طرح شعر کو سیاسی رنگ دے چکے تھے۔ اردو ادب میں ناولوں کی ابتدا

تھی۔ شہر یوں کے تو ڈھیر تھے، مضامین کا انبار تھا، اصلاحی ناول کی سمامین کی افراط تھی، مختصر افسانے کی ابتدا ہو چکی تھی اور غزل کی انتہا تھی۔ یہ سب زندگی سے کچھ بہت دور نہ تھیں۔ لیکن یہ ادب اتنی قریب بھی نہ تھیں کہ ہم ان میں اپنے دل کی دھڑکن سن سکیں، آنسوؤں کا دھواں اور تمناؤں کی تڑپ دیکھ سکیں۔ اگرچہ پریم چند کی بدولت دیہاتی زندگی منظر عام پر آ گئی تھی۔ ... اور جو پریم پڑھنے والے ... کسی کو نہ ہو سکی۔

اس وقت کے بہت سے لوگ اپنے خود ساختہ اور رومانی اصولوں پر چل کر موجودہ زمانے کی ... چاہتے تھے۔ آباؤ اجداد کے نقش قدم کو دھرم و کرم کا فلسفہ مان رکھا تھا۔ ادب کے ... کانٹوں سے بچ کے آج بھی ان کو ایمان ... اسی وجہ سے ان سر پھروں نے جو توڑ پھوڑ ... اور رومانیت سنبھالے ہوئے گلستان ادب ... آئے دیکھ کر باغبانوں میں بد دلی پھیل گئی۔

ہونی کو کون روک سکتا ہے۔ ترقی پسند ... انھوں نے زیادتی یہ کی کہ ... سے کچھ دن پہلے سے چند "انگارے" ... "انگارے" کے مصنفین کا نہ کوئی مقصد تھا ... شاید وہ پرانی دنیا والوں کو ذرا سا چونکانا چاہتے تھے، یا پھر ان کا مقصد ... کوئی نہ سمجھ سکا۔ البتہ اس ایک "انگارے" ... کی محفل میں وہ کھلبلی مچائی کہ ... تقریر و تقریر کا بازار گرم رہا۔ ... سماج سے اخراج کی دھمکیاں دی گئیں۔ ... دور کھڑے ہوئے ... بوکھلاہٹ اور ہنگامہ کا تماشہ ... میری آج تک سمجھ میں نہ آیا کہ آخر ... کون سی چیز قابل اعتنا تھی۔ وہ تحفے ہی ... والی چیز نہ تھی۔ اگر مصنفین ... سے دست و گریباں نہ ہو بیٹھتی۔ اس تمام ... کا نتیجہ ہوا کہ نوجوان ادیب ... چھڑ گیا، جواب بھی ... ہوئے ... کھلے بندوں شاعری و ادب پر کمیونزم کے خیال دوڑنے لگے۔

کچھ ہی روز بعد ... کمیونسٹ نوجوانوں کا ایک گروہ ... نے تو توڑ پھوڑ کر کارروائی شروع کی اور ... کمیونسٹ خیالات پر ... کیا اور عوام ... کے نظریے سے آشنا ہوئے۔

انگارے کی اشاعت کے بعد ... رہا، لوگ نادانی سے ... سمجھے۔ ... بولنے ... چنانچہ ... الحاد ... انقلاب ... برپا بھی کرتے رہے ...

جا تا بہت کر بھی اردو کا جامہ پہنایا گیا۔ افسانے لکھے گئے۔ کہانیاں عوام میں مقبول ہوئیں، لیکن ہندوستانی خود ہی قناعت پسند اور امن پسندی کے شیدائی تھے۔ مدت سے بھٹکے ہوئے فلسفہ نگار رہتے تھے۔ انھیں تو اس وقت کہ ہم مخفی چیزوں کی تلاش تھی اور ادب کی مصلحت آمیز خیرات انھیں بھیجا گیا تھا۔

لیکن جذبہ اطمینان ہیجان میں تبدیل ہو گیا۔ ترقی پسندی کے آسمان سے بے ادبی کے شعلے چنگاریاں بکھرنے اور "لاوا" برسانے لگے۔ قدامت پسندوں نے کوشش کی کہ ادب شعوری ضبط اور روایت کے سہارے باہر قرب کی سیر سے کر اس آدمی کو سہارے جائے لیکن دم لینے کا یارا ہی نہ تھا۔ اس تیزی سے نظم و نثر پر انھوں نے دھاوا بولا کہ بڑے بڑے سورما میدان چھوڑ کر بھاگے یا اسی رنگ میں رنگ کر ساتھ ہو لئے۔ یہ دیکھ کر "ستارہ" کھینچ لی ہیں سر پھرے باغی جوانوں نے۔ کچھ لوگ افسوس ملتے ہوئے کنارہ کش ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاسی جماعتیں ان کا راستہ روکے تھیں۔ ان جوانوں کو چشمۂ تعمیر ملک و قوم تک ان کی رسائی ناممکن تھی۔ حکومت اور سماج دونوں ان کے خلاف مصروف پیکار تھیں۔ مجمع عام میں اظہار خیال کا کوئی موقع انھیں حاصل نہ تھا۔ مگر من چلے لوگ تھے۔ ان لوگوں نے سر پر بجا رکھا۔ انھوں نے چور راستہ نکالا کہ جو چیز سکون دے رہی ہے اپنے الفاظ اور خیالات کو عوام تک ضرور ہی پہنچا دو۔ دل و دماغ اور روحانیت میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے یہ کامیاب تدبیر انھوں نے اختیار کیا۔ لیکن ابھی ان کی سوجھ بوجھ عالم طفلی میں تھی۔ ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ کر اس پر ہر دوسری خلق لی کا مہر لگا دیتے تھے۔

نئے ادیب مذہبی اور قومی چیزوں پر اعتقاد نہ رکھتے تھے۔ وہ عالم کو خالق، دوام خیال، ماننے سے منکر تھے۔ زندگی ان کی نظر میں جاوید و مستقل اور انسانیت کی منزل آخری تھی۔ پرانا ادب انھیں زندگی کی تشریح کرنے والا نظر آتا تھا اور اسی لئے وہ سماج کے ساتھ ادب کا بھی پوسٹ مارٹم کرنا چاہتے تھے۔

نئے ادیب زبان و بیان کے الجھاؤ میں پڑنے کے سخت خلاف تھے۔ وہ ادب کو ملک کی اقتصادی تحریک، سیاسی کشمکش، بھوک، بیکاری، غلامی اور جہالت کا آئینہ بنا دینا چاہتے تھے۔ اپنی کوششوں میں وہ اعتدال کی حد سے بہت آگے نکل گئے۔ چونکہ وہ زندگی کو حقیقت و روشن خیالی سے بے نقاب دیکھنا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے پابندیوں کی تمام زنجیریں توڑ دیں۔ جس کے جو جی میں آیا اور جو منہ میں آیا لکھ ڈالا۔

بلبل چمن ہستی کی زنجیریں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ بے ادبی، ایسے مشتاق نکلیں کہ بس جو جی چاہا کر گیا۔ ایسے ایسے لوگ بقول شاعر

"دیتے نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کو جگہ"

انقلابی شاعر یا ترقی پسند مصنف بن بیٹھے۔ یا کوئی انتہائی لغو، بے ہودہ سا افسانہ لکھ کر اس پر ترقی پسندی کا لیبل چسپاں کر دیا۔ اور بقول ایک

ادب کے معاملے میں شریاں کہانیوں کے ذریعے رذیل بھوک کی دکان داری کرنے لگے۔ افسوس کی بات یہ کہ ابھی ایسا وقت بھی آتا ہے جب جوانی بڑھ جاتی ہے اور تجربہ و تعمیر سے ٹکرا کر تہذیب و تمدن کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے۔ ایسے ہیجانی دور میں صرف تخریبی طاقتیں عروج پر پھل پھول رہی ہیں۔ ہندوستان میں شاید وہ وقت آ گیا تھا۔ تخریب نے پر و بال پھیلا دئے تھے اور ابھی کسی تعمیر کا سوال بھی نہ تھا، کیونکہ ابتدائی منزلوں میں تعمیر نہیں ہوا کرتا۔

کچھ سال بعد ۱۹۳۶ء میں نئی اصلاحات کی بدولت وزارتیں بنیں اور ملک کی باگ ڈور قلیل عرصے کے لئے عوام کے نمائندوں کے ہاتھ آ گئی۔ بظاہر نوجوان جوشیلا گروہ بہت خوش ہوا۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ

"وزارت کی منزل ہماری نہیں ہے"

تیری وحشت گریزاں ہے شبستان وزارت سے

لیکن یہ واقعہ ہے کہ پہلے سے زیادہ ترقی پسند نظام نو کے لئے وسعت بڑھا ہے۔ کیونکہ اسی زمانے میں ان کی ادبی سرگرمیاں بڑھیں۔ اسی دور میں ایسے رسائل عالم وجود میں آئے۔ اسی وقت انھوں نے سیاسی طور پر اہمیت حاصل کی۔ اور مسئلہ گروہوں وغیرہ سماج میں شامل ہوئے۔ ترقی پسند مصنفین کی انجمن بن تو پہلے ہی گئی تھی مگر ابھر کے دکھانے کی طاقت اس کو اب ہی ملی۔ شعرا میں جوش جیسے آتش نوا شعلہ بیان نے انھیں اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ عارضی حکومت کی پشت پناہی کی بدولت ابھرتے ہوئے جوش کو ابھار کا راستہ انھیں روشن نظر آیا۔ چونکہ تحریر و تقریر پر پابندی ہٹ گئی تھی اس لئے ادبی لٹریچر دھڑلے سے تقسیم کیا۔ کچھ مصنفین نے روسی ادب کو انقلاب روس کے سرکردہ لوگوں کے کارنامے، ان کی سوانح عمریاں چند جلد بازی میں روسی افسانوں کے اردو ترجمے اس دور میں ہوئے۔ اس سے پہلے ہی چیخوف اور ترگنیف وغیرہ سے لوگ واقف ہو چکے تھے لیکن گورکی اور عہد انقلاب کے شاعروں اور ادیبوں کے ترجموں نے اردو ادب میں اضافہ کیا۔

اردو ادب پر ایک سیدھی چوٹ پڑ رہی تھی۔ نئی پگڈنڈیاں ہموار کی جا رہی تھیں۔ نئے زاویے بن رہے تھے۔ سوچنے کا طور طریق اور اظہار کا انداز بدل چکا تھا۔ جذبہ بھی وقت کا بعد شعر اور افسانے کو زندگی سے اتنا قریب کر دیا گیا کہ شعر کو زندگی کی ایک ضرورت تسلیم کرنا پڑا۔

بے چارے قدامت پسند چیختے رہے کہ خدا را کیا کرتے ہو۔ بھلا شعر کی نرم و نازک زمین حقیقت کی کثافت کا اتنا بڑا بوجھ سنبھال سکے گی؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے اپنی فردوس گوش بن جانے والی لطافت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لیکن نئے ادیب کہتے تھے۔ ملک کو اس وقت نئی جنت نگاہ کی ضرورت ہے نہ کہ تسنیم کی۔

تیرے ممکن ہو تو ابھی آج رنگیں جام کے بدلے
ہو کے رنگ میں ڈوبا ہوا پرچم اٹھا ساقی

نئے ادیب جلد ہی قومی تباہی کے بنیادی عناصر دریافت کرنے میں لگ گئے۔ انھوں نے کھلی آنکھوں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ آسمان کی وسعت اور زمین کے پھیلاؤ پر نظر ڈالی۔ وہ ذوق سلیم سے محروم نہیں تھے۔ انھوں نے اپنی دنیا آپ بنانی چاہی۔ اس سلسلہ میں لقب ... سے پھلتے ہیں تنے بقیا عادت سے ... تعمیر ادب کرنے چل پڑے۔

چونکہ اس گروہ میں پختہ کاری کا فقدان اور ضبط و نظم کا فقدان تھا، قول و فعل میں بھی تضاد ... پتے کی باتیں بھی کبھی اکثر قدامت پسند بازی گروں کے لئے بھی ... میں کنکریاں پھینک کر ہنسی اڑاتے رہتے تھے۔ کیا علما ادب سے بدظن تھے، اور غیر مطمئن بھی۔ لیکن اس سے الزنگ اور شوخ ادب میں اس کشش تھا کہ بہت جلد لوگ ان کی طرف کھنچنے لگے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ یہ رسم نئے لکھنے والے ادب نے ذہن کا ستیاناس کر دیا ہے۔ سارا کاٹ کباڑ لا کر انتہائی گندا رنگ ڈرائنگ روم میں ذخیرہ کر دیا ہے۔ انسان کے لطیف ترین احساسات و جذبات کو جو اب سے پہلے شاعرانہ کنائے کی شکل سے متعلق تھے ان بیچاروں نے برہنہ کر دیا ہے۔ ادب کو زندگی کا آئینہ بنانے کے شوق میں یہ لوگ نقلی تشبیہیں، عجیب استعارے اور غیر مانوس ترکیبیں رائج کر رہے ہیں۔ اسلوب بیان کی حلاوت اور تشبیہوں کی ندرت سب خاک میں مل گئی ہے۔ مثلاً وہ ان اشعار کا حوالہ دیتے تھے۔

دل کی محل کی آنسے میں شنا وہ جیلا ماہتاب
جیسے ملا کا عمامہ جیسے بنئے کی کتاب
جیسے مفلس کی جوانی جیسے بیوہ کا شباب

"باشرق" کے عنوان سے ایک نظم کے چند شعر سنئے تھے۔

ایک ننگی لاش ہے گرچہ کفن مشرق کا ہے
مغربی چیلوں کا لقمۂ تر ہیں مشرق کی ہے

اور مشرق

وہم زائیدہ خداؤں کا روایت کا غلام
پرورش پاتا رہا ہے جس میں برسوں کا جذام

یا

باہمی نفرت کے شعلے جنگ کی پرہول آگ
پیرزن سرمایہ داری کی ہے بیوہ کا سہاگ

(باقی آئندہ)

ایک ضروری خط

(بسلسلہ صفحہ ۲)

میں بڑے بھی سب سے اہم ہے۔ اصلی مشکلات کی وجہ سے صاحب عز حضرات کی وجہ سے کمی ہیں۔ اسی سلسلے میں دیگر امداد کے علاوہ زکوٰۃ کی شق سے کافی مدد مل سکتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ ان اہم مسائل پر ایک ایڈیٹوریل کے ذریعے پبلک کی توجہ مبذول فرمائیں گے۔ اشرف کی ممنون ہوں گے۔ اگر ان اخباروں کا پتہ جن میں اپیل شائع کی جائے اور اخبار بھیجے جائیں تو مجھے بھیج دی جائیں تو بہت بڑا احسان ہوگا۔

آرٹ کی تعریف اور آرٹسٹ کا تعارف

عبدالحلیم انصاری

اعتراف!

میں کتاب کا غلام نہیں، میں لکیر کا فقیر نہیں۔ تقلید میرا کام نہیں، لیاقت بیان بے علم نہیں۔۔۔ میں خالق خیال ہوں۔ میں آفرینندۂ جمال ہوں۔ میں موجد حرف معانی ہوں۔ میں پیکر الہامی ہوں، میں صاحب کتاب ہوں۔ میں ناقد نکات ہوں۔ میرا بیان قرآنی بیان ہے۔ میرا کلام علم الکلام ہے۔

آرٹسٹ نہ کتابی آدمی ہوتا ہے۔ نہ نقالی انسان۔ وہ بات کم کرتا ہے اور کام زیادہ۔ وہ کام سے کام رکھتا ہے۔ اور وقت کی قدر کرتا ہے۔ وہ اپنا نقش آپ بناتا ہے۔ اپنی لکیر آپ کھینچتا ہے۔ اور آپ ہی اس میں رنگ بھرتا ہے۔ نہ وہ کسی کی کتاب کا محتاج رہتا ہے، نہ کسی کے خیال کی چوری کرتا ہے۔

وہ چونکہ عملی انسان ہوتا ہے اس لئے فطری صلاحیت کو کام میں لاتا ہے۔
وہ چونکہ جدت آفریں ہوتا ہے اس لئے تخلیقی قوت کا مظاہرہ دکھاتا ہے۔
وہ کتابی بندشوں سے آزاد ہوتا ہے اور درسی اسباق سے بے نیاز۔
وہ تمام قیود سے آزاد ہوتا ہے اور تمام حدود سے ماورا۔

کتنا غلط ہے اس کو اس جگہ پر دیکھنا، جہاں اس کو دیکھا جاتا ہے یا جہاں اس کو سمجھا جاتا ہے۔ وہ نہ اس جگہ پر ہے، نہ اس سطح پر۔

تو پھر آرٹسٹ کیا ہے؟

وہ میدان عمل کا شہسوار ہے اور فضائے آزاد کا پرندہ۔
وہ حیات کا آغاز ہے اور منزل ارتقا کا جادہ پیما۔
وہ تہذیب کی تشکیل کرتا ہے اور کلچر کو زندہ رکھتا ہے۔
وہ قدیم کائنات کو چاک کرکے جہان نو کی تخلیق کرتا ہے۔
وہ فضائے خاموش سے بات کرکے اس میں نطق و تکلم بھرتا ہے۔
وہ مردہ اجسام میں روح پھونک کر کار مسیحائی دکھاتا ہے۔
وہ فسردہ اجزا میں رنگ بھر کر معجز نمائی کرتا ہے۔
وہ نقش ضعیف پر شباب کا رنگ چڑھاتا ہے۔
وہ عہد شباب پر انقلاب کی مہمیز دوڑاتا ہے۔
وہ ارتقا کا داعی ہے۔ جہان نو کا بانی ہے اور زندگی کا ساعی!
یعنی وہ معلم انقلاب ہے اور زندگی ساز۔

آرٹسٹ تعمیری خاکوں کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ منتشر اجزا کی تنظیم کرتا ہے، وہ بدنمائی دور کرتا ہے، خوش نمائیاں پیدا کرتا ہے۔ کاموں میں سلیقہ لاتا ہے۔ ذہنوں کو شعور دیتا ہے۔ تمیز دیتا ہے۔

وہ مفکر ہوتا ہے، مدبر ہوتا ہے، منتظم ہوتا ہے اور جمال نگار۔
وہ مصور ہوتا ہے۔ مورخ ہوتا ہے اور انقلاب آشکار۔
وہ ماحول ساز ہوتا ہے اور اطوار ساز۔
وہ کردار ساز ہوتا ہے اور انسان گر — یعنی وہ مصلح حیات ہوتا ہے اور آرٹ کار، وہ حسن فروش اور فطرت شناس۔
وہ غلامی سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور آزادی کا پرچار کرتا ہے۔
وہ زمان و مکان کی حد بندیاں توڑتا ہے اور خود زمان و مکان کی تعمیر کرتا ہے۔
وہ مخبر انقلاب ہوتا ہے اور کاشف حالات
انقلاب سے وہ بات کرتا ہے اور پردۂ سامراج چاک!

ایک ضروری خط

(جناب عبدالرؤف صدیقی صاحب نے ایک بہت بڑی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ انہیں ہند اور پاکستان کے مسلمانوں سے پوری مدد ملے گی۔ اپیل آئندہ ہفتے میں شائع کیا جائے گا۔)

مکرمی تسلیم۔ میں جناب کی خدمت میں درگاہ شریف اجمیر کی مالی حالت کے متعلق ایک اپیل بھیج رہا ہوں۔ میری استدعا ہے کہ براہ کرم اس اپیل کو ہفتہ میں ایک بار چار پانچ مرتبہ اپنے اخبار میں شائع فرما دیجئے۔ مجھے امید ہے کہ اس کار خیر میں حصہ لے کر [illegible] ہوں گے۔ اگر اس سلسلے میں جناب ایک ایڈیٹوریل نوٹ تحریر فرما کر پبلک کی توجہ اس اپیل کی طرف منعطف فرما دیں تو یقیناً یہ درگاہ شریف کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر روپے کی کمی نہیں ہے بلکہ معتقدین آستانہ اور دیگر صاحب خیر حضرات اب بھی لاکھوں روپیہ اجمیر شریف بھیجتے ہیں۔ یہ رقومات مختلف لوگوں کے نام سے جو خادم درگاہ کہلاتے ہیں بھیجی جاتی ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے جو انکوائری کمیٹی مقرر کی تھی اور جس کی رپورٹ اس وقت گورنمنٹ کے زیر غور ہے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ان حضرات میں سے ایک کے پاس ایک دن میں پانچ سو تک منی آرڈر وصول ہوتے ہیں اور ان میں سے کچھ کثیر تعداد میں انکم ٹیکس بھی ادا کرتے ہیں اور رقومات جو کسی شخص واحد کے نام بھیجی جاتی ہیں درگاہ شریف کی ضروریات اور خیرات کو کسی طرح بھی فائدہ نہیں پہنچاتیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ درگاہ شریف کے لئے جو رقومات بھی بھیجی جائیں وہ میرے پتے پر دفتر درگاہ شریف میں وصول ہوں تاکہ ان کو صحیح طریقے پر بھیجنے والے حضرات کی منشا کے مطابق خرچ کیا جائے۔

درگاہ شریف کی آمدنی بہت گھٹ گئی ہے اس کے مختلف وجوہات ہیں جن میں ملک کا بٹوارہ اور اجمیر میں نئے قانون لگان داری کا نفاذ جس کی بنا پر جاگیر درگاہ کی بہت گھٹ گئی ہے۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس وقت ہماری سب سے اہم ضرورت ان مقدس عمارتوں کو صحیح حالت میں قائم رکھنا ہے۔ گنبد مبارک، شاہ جہانی مسجد، اکبری مسجد، اور دیگر عمارتوں کو فوری مرمت کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لئے کم از کم چار لاکھ روپے کی ضرورت ہوگی۔ اس سلسلے میں دو تین سال سے حکومت حیدرآباد کی زیر نگرانی مرمت کی ایک اسکیم بن رہی ہے لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر ابھی تک مکمل نہیں ہوسکی۔ اسکیم تیار نہ ہونے کی وجہ سے میں اپنی اپیل میں کسی خاص رقم کا ذکر بھی نہیں کرسکا۔ ظاہر ہے کہ ان اہم کاموں کے لئے جب تک صاحب خیر اور صاحب استطاعت حضرات خاص توجہ نہ فرمائیں گے روپیہ اکٹھا ہونا ناممکن ہے اور یہ کام جس کا جلد از جلد تکمیل پانا اشد ضروری ہے۔

عرس مبارک میں ہر سال جو زائرین ملک کے ہر حصے سے اجمیر شریف آتے ہیں ان میں سے بہتیروں نے درگاہ شریف کے انتظامات کے متعلق اپنی جو رائیں رجسٹر زائرین میں درج کی ہیں ان کے اقتباسات جناب کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ کو یہ اندازہ ہو جائے کہ چند سال کے قلیل عرصے میں جبکہ انتظامات درگاہ شریف کی سعادت میرے سپرد رہی ہے کیا کیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور معتقدین آستانہ ان کوششوں سے کس حد تک مطمئن ہوسکے۔ ان کی تکالیف اور بکھیڑوں کا بھی اس سے اندازہ ہو جائے گا۔ اجمیر میں پانی کی بہت کمی ہے۔ درگاہ شریف میں پانی کی سپلائی کے مزید انتظامات، پاخانوں اور غسل خانوں کی تعمیر، روشنی درگاہ کے لئے ایک ڈیزل بجلی کے انجن کی خرید۔ یہ کچھ ایسی اہم ضروریات ہیں جن کے لئے کافی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ابھی تک درگاہ شریف میں نہ تو مذہبی کتابوں کا کوئی کتب خانہ ہے اور نہ تعلیم کا کوئی صحیح انتظام ہے۔ اس مرکز عقیدت کے شایان شان کتب خانہ اور مدرسہ کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اور اس کے لئے بھی سرمایہ کی ضرورت ہے۔

روزمرہ کے اخراجات جن میں ان بے کسوں کی مدد جو دربار خواجہ (بقیہ صفحہ ۱۲)

جدید یونان کی ٹریجڈی

محمد امین

(۱)

۱۹۲۳ء میں امریکہ کے ایک مشہور تاریخ داں جیمس شاٹ ویل نے کہا تھا کہ "جہاں تک حکومت کا تعلق ہے یونان یورپ کے بدترین ملکوں میں ہے" انھوں نے اپنے بیان پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اپنی معاشی غربت اور سیاسی فرقہ واریت کی وجہ سے یونان بلقان کی ریاستوں میں سب سے زیادہ پست حال اور پیچھے ہے۔ یونان کے لئے یہ بات ۱۹۶۵ء میں بھی اسی حد تک صحیح ہے۔ اس لئے کہ آج بھی سیاسی بحران اور غربت میں یہ اسی قدر مبتلا ہے جتنا وہ ۱۹۲۳ء میں تھا۔

اگر ہم جدید یونان کی تاریخ پر گہری نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ یونان کی پست حالی اس کی دقتوں اور غربت کے کیا وجوہات ہیں۔ بدقسمتی سے اس ملک کا جغرافیہ کچھ اس طرح کا ہے کہ کسی نہ کسی بڑی خارجی طاقت نے ہمیشہ سے اس کے اندرونی معاملات میں دلچسپی لی ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ آئیے ہم وہاں کے حالات کا جائزہ لیں۔

یونان کی ہمیشہ سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہاں کی سیاسی جماعتیں کسی نہ کسی بڑی خارجی طاقت کے زیر اثر رہی ہیں، جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے۔ رشوفیل یعنی روس دوست، انگلوفیل انگریز دوست یعنی انگریزی۔ فرنکوفیل یعنی فرانس دوست، جرمنوفیل یعنی جرمن دوست، یہ چار وہاں کی خاص خاص سیاسی پارٹیاں ہیں۔ جو ہمیشہ آپس میں متصادم رہی ہیں۔ ان میں سے جب کوئی ایک پارٹی برسر اقتدار آئی تو اسے آزادانہ اور اپنی قومی روش کی پالیسی نہیں برتی بلکہ ہمیشہ باہر کے ملک کا مفاد اور اثر پیش نظر رکھنے پر مجبور رہی۔ ۱۸۳۲ء سے جب کہ موجودہ یونان کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے بڑی طاقتیں برابر یونان پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے آپس میں جدوجہد کر رہی ہیں۔

یونان کی سیاسی جماعتیں اپنی خود غرضی کے لئے مشہور ہیں۔ ان کی خارجی پالیسی میں بھی شخصی مفاد اور خود غرضی کا رنگ جھلکتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ سیاست کے میدان میں ان کا رجحان تعصب اور فرقہ پرستی کی طرف بھی رہا ہے۔ وہاں کی قومی زندگی میں جب کبھی نازک لمحات آئے تو یہ عصبیت اور زیادہ نمایاں ہوگئی جیسے کہ جنگ آزادی، کریمیا کی جنگ ۱۸۹۷ء کی ترکی جنگ، پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کے مرحلے پر ہر دور میں یونانی سیاست کے میدان میں غیر متحد تھے اور بڑی طاقتیں اس سے فائدہ اٹھا کر ان کو آپس میں لڑاتی تھیں اور اپنا الّو سیدھا کرتی تھیں۔ یونان کی زندگی میں چار مواقع ایسے آئے جبکہ وہاں کے عوام نے بڑی طاقتوں کے خلاف غم و غصے کا اظہار کیا لیکن ان کے سامنے ان کی ایک پیش نہ گئی اور آخر میں سر تسلیم خم کرنا ہی پڑا۔ کریمیائی جنگ اور دوسری جنگ عظیم کے موقع پر مغربی طاقتوں نے پیش قدمی کی اور یونان میں فوج بھیج کر قبضہ جمالیا تاکہ فوجی لحاظ سے روس اس اہم جزیرہ نما پر اپنا اقتدار نہ جما سکے۔

انیسویں صدی میں یونانی زیادہ تر رشوفیل سیاسی جماعت کے زیر اثر رہے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ دونوں ملکوں کی تہذیب و تمدن اور مذہب بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ یونانی روس کی اس بات سے بہت خوش تھے کہ اس نے عیسائیوں کو ترکی کے جابرانہ آمریت کے چنگل سے نجات دلایا جبکہ مغربی طاقتیں خصوصاً انگلستان نسلاً جہاں سے ہوئے ترکوں کی پشت پناہی کر رہی تھیں یا کرتا رہا۔ انیسویں صدی کے آخر میں بلقان کی کایا پلٹ ہوگئی۔ سلاف قومیت کا زمانہ شروع ہوا اور اس کے عروج کے ساتھ ساتھ روس دوستی کا نشان گھٹ گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد وہاں ترقی پسند اور رجعت پرست طبقوں کی کشمکش نمایاں ہوئی اور روس کا اثر تعلیم یافتہ اور مزدور طبقے تک محدود ہوکر رہ گیا۔ خیالات کے اس الٹ پھیر کے باوجود یونان کا جغرافیہ اہم ہی رہا ہے۔ بین الاقوامی سیاسی چال میں آج بھی یونان کی حیثیت بہت نمایاں ہے۔ شرق قریب کے علاقے میں یہ اطالوی جرمن سوویٹ برطانوی ترغیب اور امریکن سیاسی چالوں اور پالیسی کا مرکز رہا ہے۔

آزادی کی جنگ

۱۸۲۱ء سے ۱۸۳۲ء کے دوران میں بڑی بڑی طاقتیں انگلستان، فرانس اور روس اپنے اپنے پلڑے جھکتی رہیں اور حکمت عملی کے میدان میں اپنی سیاست کے جوہر اور ہتھکنڈے دکھلاتی رہیں۔ سب اپنی جگہ پر ہوشیار تھیں اور موقع کی متلاشی۔ برطانیہ پس و پیش میں تھا اس لئے چپکے چپکے انتظار کرتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ وقت آگیا ہے اور رفتہ رفتہ وہ یونانی سیاست کے مستقبل پر فوقیت حاصل کرسکتا ہے تو اس نے بھلے بنتے ہوئے یونان کے قومی مفاد کی تائید کی۔ اس خوف سے کہ کہیں یونان روس کے حلقہ اثر میں نہ آجائے برطانیہ نے چالاکی کر ایک محدود رقبے کے اندر اندر خود مختار حکومت قائم کرسکا جمہوریت کی اور اس کو بھلائی کا ساتھ دیا۔

روس کی پالیسی یونانی کی ان رجحانات کے بارے میں واضح اور صاف تھی۔ وہ عیسائیت کا علمبردار تھا اس لئے ترکوں کے مقابلہ عیسائیوں کے مفاد کا خیال کرنے کے لئے پہلے کی طرح اب بھی وہ اٹل رہا۔ ——— لیکن وہ چاہتا تھا کہ ترکی کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا کر یونانیوں کو آزاد کرا دیا جائے۔ اور ان کی خود مختار ریاست قائم کی جائے۔ یہ یونانیوں کے دل کی بات تھی۔ یہی سبب ہے کہ وہاں کی رائے عامہ مغربی طاقتوں کے مقابلے میں روس کی طرف زیادہ مائل تھی۔

حکومت کا کام سنبھالنے کے لئے وہاں جب ایک حکمراں کی تلاش شروع ہوئی تو مغربی طاقتوں نے یونان کو ہی ڈپلومیسی کا خوب تختۂ مشق بنایا۔ آخر میں باویریا کا ایک رئیس چنا گیا۔ باویریا جرمنی کا ایک حصہ ہے اس لئے وہاں کی حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر جرمنوں نے فوراً اپنا قبضہ جمالیا۔ آزاد پسند جمہوری اور ترقی پسند عوام کو یہ بات بہت کھلی اس لئے بھی کہ یونان کی سلطنت کے جسم سے اس کے بازو یعنی آیونیا کے جزیرے، کریٹ اور یونان کے شمالی تھیسلی کاٹ کر الگ کر دئے گئے۔

بڑی بڑی طاقتوں نے یونان کو بہت سا روپیہ بطور قرض کے دینے کا وعدہ کیا تھا جس سے وہاں کی حکومت اور بادشاہت کی ذمہ داریاں سنبھالی۔ لیکن اس کے پس پردہ بڑی طاقتوں کی چال تھی اور ایک بار قرض لینے کے بعد یونانی حکومت دوسروں کے ہاتھوں میں ایک آلۂ کار بن گئی۔ اس غلطی کی وجہ سے بڑی طاقتوں کے لئے یونان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنا ایک کھیل کا دن کا کام ہوگیا۔ ولیم ملر جو یونانی تاریخ کے ایک بہت اچھے ماہر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس زمانے میں ایتھنز بڑی طاقتوں کی ڈپلومیسی کا خاص تختۂ مشق اور ٹریننگ تھا۔ انگریز دوست، فرانس دوست اور روس دوست جماعتوں کی سرگرمی کرنے کے لئے ہر ایک کے بہت بڑے بڑے لیڈر سیاست کے میدان میں پیش پیش تھے۔

باویریا کے جرمن رئیس کا نام جو یونان کا حکمراں بنایا گیا اوٹو تھا ۱۸۶۲ء تک جس کا دور دورہ تھا اور اس کے جرمن عہدہ دار مطلق العنان تھے لیکن اسی سال ایک ایسا ہنگامہ اور انقلاب برپا ہوا کہ بغیر خون خرابے کے اوٹو کو مجبوراً اپنے جرمن مشیروں کو برخاست کرنا پڑا۔ اس نے قومی اسمبلی بلائی اور ایک خاص دستور کے مطابق حکومت بنائی۔ بڑی طاقتوں کے اہل کاروں اور ایجنٹوں نے انقلاب پسندوں کی جماعت کا ساتھ دیا۔ انگریز دوست اور روس دوست جماعتوں نے مل کر اوٹو کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا۔ خیال یہ تھا کہ اس طرح شاید وہ اوٹو کو مجبور کرکے حکومت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیں گے۔

بہت سے بنیادی مسائل جن سے ملک کی ترقی میں روڑے اٹکتے تھے، انقلاب کی وجہ سے وہ پیچھے ہی پڑے رہے، بادشاہ اور اس کی خاص جماعت

اسی سلسلے میں یونانی پر توجہ نہ رہی۔ مالی حالات بہتر ہونے کے بجائے بگڑتے ہی رہے اور ترکی حکومت کے ماتحت جو یونانی تھے انہیں آزاد کرانے کی تحریک دب گئی۔ فرانسیسی اور روسی جماعتیں یونان کے حلقۂ اثر کو بڑھانے کی موافق تھیں اور ترکی حکومت کے چنگل سے ان صوبوں کو آزاد کرانے میں پیش پیش تھیں جن میں یونانیوں کی اکثریت تھی۔ برٹش اس خوف سے کہ کہیں آیونیا کے جزیرے ان کے قبضے سے چھن نہ جائیں۔ یونان کے حلقۂ اثر کو بڑھانا پسند نہ کرتے تھے۔

برطانیہ اپنی پالیسی پر کچھ اس طرح کاربند رہا کہ ایک وقت اس سے کئی ایک جھگڑے سر ہو گئے۔ سب سے پہلے قرض پر سود کا سوال اٹھا۔ پھر [illegible] میں [illegible] کے خلاف مظاہرہ میں برطانوی باشندوں کو جو نقصان ہوا تھا، اس کی واپسی اور ادائیگی کا مطالبہ تھا۔ یونانیوں نے اس سے صاف صاف انکار کر دیا جس سے برطانیہ بہت ناراض ہو گیا اور اس نے پائریس کی ناکہ بندی کر دی۔ ایک بار نہیں بلکہ دو تین چار بار اس کی نوبت آئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ برطانیہ کا رویہ بہت ہی ناجائز اور ظالمانہ تھا اور اسی لئے ساری دنیا میں اس کی بہت مذمت کی گئی۔

[illegible] میں کریمیا کی جنگ کے دوران میں یونان کی اہمیت بہت نمایاں ہو گئی۔ اس کا محل وقوع ایسا ہے۔ اس لئے یونان بڑی بڑی طاقتوں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ کٹر مذہبی ہونے کی وجہ سے وہ روس کا ہمدرد تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر یونانیوں نے کئی بار کوشش کی کہ ترکی کے مقبوضات میں تھسلی اور ایپائرس پر جہاں یونانیوں کی اکثریت تھی حملہ کر کے انہیں حاصل کر لے۔ مگر قسمت ان کے ساتھ نہیں تھی۔ اس لئے ہر بار انہیں ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ یونانی رضاکاروں کا ایک بریگیڈ روسیوں کے دوش بدوش لڑتا تھا۔ برٹش اور فرانسیسیوں نے مل کر جب پائریس پر قبضہ کیا تو اپنی طاقت کے زور سے انہوں نے یونانیوں کو روس کا ساتھ دینے سے روکا۔ ان کی یہ پالیسی نہ صرف دوران جنگ میں رہی بلکہ جنگ کے بعد بھی وہ اس پر عمل کرتے رہے۔ اپنے اغراض و مقاصد کے پیش نظر انہوں نے اپنی پارٹی کی قسم کی وزارت بنائی۔ یہ حکومت تین سال تک چلتی رہی اور برطانیہ، فرانس کی خواہشات کو پورا کرتی رہی۔ لیکن مصلحت کی بنا پر [illegible] میں ان دونوں طاقتوں نے یونان کو خالی کر دینے کا فیصلہ کیا۔

اس زمانے کی سیاسی چال اور طاقتوں کی سازباز کو سامنے رکھا جائے تو یونان کو یورپ کا فٹ بال کہا جا سکتا ہے جسے اپنی مرضی کے مطابق ہر بڑی طاقت ٹھوکر لگاتی تھی۔ برطانیہ اور فرانس کے دست بردار ہو جانے کے بعد یونان کی سیاسی اور معاشی بے چینی ویسی ہی قائم رہی۔ کریمیا کی جنگ کے بعد حالات بگڑتے گئے اور شاہ اوٹو کی عزت بہت گر گئی تھی۔ اندر ہی اندر جنتا کی بے چینی اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ [illegible] میں یہاں دوسرا انقلاب آیا۔

وقت کا تقاضا تھا کہ بادشاہ حکومت سے دست بردار ہو جائے۔ چنانچہ اسے ایسا ہی کرنا پڑا۔

لیکن بادشاہ کے علیحدہ ہونے کے ساتھ ہی یونان ایک بار پھر بڑی طاقتوں کی آماجگاہ بن گیا۔ کریمیا کی جنگ میں حکومت یونان کی جو پالیسی تھی اس کی وجہ سے مغربی طاقتیں اوٹو کی سخت مخالف تھیں سب سے اہم مسئلہ ایک نئے بادشاہ کی جستجو تھی اور ہر بڑی طاقت اس فکر میں تھی کہ نیا بادشاہ کوئی ان کا اپنا آدمی ہونا چاہئے تاکہ وہ ان کے اغراض کے مطابق حکومت کرے۔ اس سلسلے میں وکٹوریہ کا لڑکا ڈیوک آف ایڈنبرا کا نام ہر ایک کی زبان پر تھا۔ یونان میں بھی لوگ یہی چاہتے تھے۔ خصوصاً اس لئے کہ یونانیوں کا خیال تھا کہ اگر کسی انگریز نسل کا بادشاہ مقرر ہو جانے کے بعد یہ بات بڑی آسان ہو گی کہ برطانیہ سے آیونیا کے جزیرے واپس لے لئے جائیں۔ لیکن بڑی طاقتیں پہلے ہی آپس میں طے کر چکی تھیں کہ یونان کا شاہ کسی بڑی طاقت کے حکمران خاندان کا کوئی فرد نہیں ہوگا۔ برطانیہ بلاشبہ خود ڈنمارک کا شہزادہ جارج کا موافق تھا اس لئے کہ اگر ایسا نہیں ہوتا تو برطانیہ کو آیونیا کے جزیرے چھوڑنے پڑتے جو کہ اس کے قبضے میں [illegible] سے تھے۔ برطانیہ اپنے تدبر سے اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔ اور آخر میں ساری بڑی طاقتوں نے اس کی یہ بات مان لی۔ برطانیہ اور ڈنمارک کے درمیان ایک خفیہ سمجھوتہ ہوا جس میں یہ طے ہوا کہ نیا بادشاہ ترکوں کے خلاف یونانیوں کو ہرگز نہیں بھڑکائے گا۔ اسی طرح یونانیوں میں ایک بار پھر باہر کے ایک حکمران کو گدی پر بٹھا کر [illegible] دیا گیا اور نئے شاہی خاندان کا آغاز کیا گیا۔ یونان میں یہ ایک خاندان اب تک قائم ہے اور باوجود اس کے کہ وہاں کے عوام اس سے خفا اور مخالف ہیں۔ فوج اور طاقت کے زور سے اس کی حکومت قائم ہے۔

رفتہ رفتہ آیونیا کے جزیروں کی حکومت برطانیہ کے لئے ایک بوجھ بن گئی اور جب اس نے محسوس کیا کہ اب خطرہ ہے تو جون [illegible] میں برطانیہ اسے خالی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اور چپکے سے اس نے اسے یونان کے حوالے کر دیا۔

نیا بادشاہ خاص توجہ کا مرکز بن گیا اور اس کے اردگرد سیاسی چالوں کی ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں۔ سیاسی بدامنی اور معاشی بحران باقی رہا۔ کریٹ کا مسئلہ اہمیت کے ساتھ ایک خاص قومی مسئلہ بن گیا۔ اس جزیرے میں پے در پے کئی بار بغاوتیں ہوئیں۔ [illegible] میں ایک بہت ہی خطرناک بغاوت ہوئی۔ سلطان کو عوام کے دباؤ کی وجہ سے جھکنا پڑا۔ سلطان نے یونانی رعایا کو لوکل گورنمنٹ میں بہت سے اختیارات دئے اور ان کی آبادی کے تناسب سے ان کی ذمہ داری حکومت میں بڑھا دی لیکن اس کے باوجود ملکی معاملات ویسے ہی رہے اور یہ ایک محض عارضی سمجھوتہ تھا جزیرہ میں

بدنظمی ویسی ہی قائم رہی۔ [illegible] میں برطانیہ [illegible] ایک فارمولا کی تائید کی جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ جزیرے کو ترکوں کے حوالے کر دیا جائے لیکن [illegible] اور مسٹر گلیڈسٹن نے اس کی مخالفت کی اور کریٹ کو یونانیوں کے ساتھ شامل ہونے کی زبردست حمایت کی۔

روسی ترکی جنگ

[illegible] میں روس ترکی جنگ چھڑ گئی۔ [illegible] کے لئے یہ ایک بہترین سنہرا موقع تھا کہ [illegible] خواب پورا کرے۔ یعنی تمام یونانیوں کو رہا کرانے کے بعد ان کی ایک خود مختار اور آزاد ریاست قائم [illegible] ترکی کے خلاف جذبات زیادہ تھے اور روس سے [illegible] تعاون کی فضا ہموار تھی۔ یونان کا سارا قومی [illegible] روس دوستی پر متفق تھا۔ تھسلی، ایپائرس [illegible] میں یونانیوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ اس [illegible] برطانیہ نے اندر ہی اندر بہت سازباز کی اور اپنی چالوں سے یونانیوں کو ترکوں پر حملہ کرنے سے باز [illegible] رکھنے وعدہ کیا کہ صلح کے موقع پر ان کے نقطہ نظر [illegible] اور دوسری رعایتوں کا خیال رکھا جائے گا۔

اسی درمیان میں روسی فوجوں کی پیش قدمی [illegible] ترکوں کی زبردست سلطنت خطرے میں [illegible] فضا اور قومی دباؤ کے پیش نظر یونانی حکومت [illegible] مستعفی ہو گئی اور اس کی جگہ ایک نئی حکومت [illegible] بنی جس کا مقصد یہ تھا کہ ایک خاص جنگی پالیسی [illegible] کی جائے اور وقت کی ضرورت کے مطابق یونانی [illegible] کو حاصل کیا جائے۔ [illegible] فروری [illegible] کو [illegible] حکومت نے ترکوں کے خلاف عملی قدم اٹھایا [illegible] حکومت کے ان صوبوں میں جہاں یونانیوں کی اکثریت [illegible] تھی اپنی فوجیں بھیج دیں۔ بدقسمتی سے یہ [illegible] دیر میں ہوا۔ روس ترکی سمجھوتہ ہو چکا تھا [illegible] تھسلی میں یونانیوں کی بغاوت جاری رہی اور [illegible] حکومت کا اعلان بھی ہو گیا۔ برطانیہ نے اس [illegible] ختم کرنے کی کوشش کی اور [illegible] ہوئی۔ اس طرح یونانیوں نے ایک بہت [illegible] سے کھو دیا۔

فروری [illegible] میں روس نے سن اسٹیفانو [illegible] صلح نامے پر دستخط کرتے وقت یونان کے حق کو [illegible] بالکل نظر انداز کر دیا۔ اس کے برخلاف انہوں نے [illegible] کا ساتھ دیا اور اپنے زیر اثر عظیم بلغاریہ کی ریاست [illegible] اس ریاست میں ایسی حد بندیاں کی گئیں جو [illegible] اس ریاست کے قیام کے بعد یونان اور [illegible] کے لئے ایک نیا خطرہ ابھر آیا۔

مغربی طاقتوں نے برلن میں ایک کانگریس [illegible] کا مقصد یہ تھا کہ مشرق قریب کے جھگڑے [illegible] پر سیر حاصل بحث کیا جائے۔ جون [illegible] میں برلن کے نام سے ایک صلح نامہ [illegible] عظیم بلغاریہ کی ریاست ختم ہو گئی۔ لیکن [illegible] کچھ حصہ یونانیوں کو نہیں ملا۔ یونان کے شمالی [illegible]

بقیہ ... بدستور قائم رہا اور کریٹ میں جو نا قابل اطمینان حالات پیدا ہوئے تھے
بھی چھوڑ دیا گیا۔ یونان کے شمالی سرحد کی پیچیدگیاں یہاں کی حکومت کے لئے
ہمیشہ تنگ عذاب جان رہیں۔ ... سال قسطنطنیہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کی رو
... اور ... یاترس کا ... حصہ یونان کو دے دیا گیا، لیکن ایاترس اور ... دونیا
مسائل ویسے ہی خطرناک بنے رہے۔

... میں جب ... اور مشرقی ... بنانے مل کر ایک ریاست بن جانے
کا اعلان کیا تو یونان بہت ... خطرہ ... ہو گیا۔ اس کی وجہ سے بلقان میں طاقت کا
توازن ... ہو گیا اور یونان کی آزادی کے لئے ایک نیا خطرہ پیدا ہو گیا۔ ...
ترکی کی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور اس صورت میں بلقان اور ... کی
... بھی حصہ بٹانے کے لئے فکر مند تھے۔ اسی مقصد کے پیش نظر یونان
نے اپنی ... اور ... طاقت کو جنگی مقاصد کے لئے تیار کیا۔ حملہ کرنے کے لئے وہ
... ابھی تیاری ... کر رہی تھی ... طاقتوں نے خصوصاً برطانیہ نے پھر مداخلت کی۔ ہر
چہار طرف سے ... اس کی ناکہ بندی کر دی گئی۔

(باقی آئندہ)

آزادی کی زنجیریں

(بسلسلہ صفحہ ۲)

[illegible]

(باقی آئندہ)

شرح چندہ "نئی روشنی"

ہندوستان و پاکستان

سالانہ ۶ؔ ششماہی للعہ

فی پرچہ ۳ر

ممالک غیر

سالانہ ۱۰ؔ ... ششماہی ۶ؔ

فی پرچہ ۴ر